16

الاستقامة فوق الكرامة

(فرمودہ ۳۰؍اگست ۱۹۱۸ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں اور فرمایا:۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ○ (حٰمٓ سجدہ: ۳۱ تا ۳۳)

کوئی عبادت مکمل نہیں ہوسکتی جب تک اس کے ساتھ استقامت نہ ہو۔ قرب الٰہی کے ہزاروں ذرائع ہیں، لیکن جب تک ان میں سے کسی ایک پر استقامت نہ اختیار کی جاتے اس وقت تک کامیابی نہیں ہوسکتی اور کوئی عبادت نفع نہیں دے سکتی، بغیر اس پر استقامت اختیار کرنے کے۔ دُنیا کے ہر کام میں بھی جب تک استقامت نہ ہو کامیابی نہیں ہوسکتی۔ مثلاً ایک شخص کچھ بیمار ہوتا ہے اور کونین کھاتا ہے تھوڑی دیر بعد ست گلو پھانکتا ہے۔ کچھ دیر بعد کچھ اور کھالیتا ہے۔ تو اس کو فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ علاج تو اپنی جگہ صحیح ہونگے مگر ان میں سے ہر ایک کے ساتھ استقامت شرط ہے اور جس علاج کے ساتھ استقامت نہیں ہوتی۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہونے کے باوجود بھی بے فائدہ ثابت ہوتا ہے اور کوئی دوائی اس وقت تک اثر نہیں دکھا سکتی۔ جب تک استقامت کے ساتھ اسے استعمال نہ کیا جاتے۔ اور وہ طبیعت کے مطابق ہو کر اپنا اثر نہ دکھاتے، لیکن اگر جلد جلد ردّ و بدل کیا جائیگا تو دوائی خواہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی کیوں نہ ہو اپنا کوئی اثر نہیں دکھا سکے گی۔ ایک طبیب بھی نسخہ بدلتا ہے اور بدلتا رہتا ہے، لیکن جب کوئی نسخہ مریض کی طبیعت کے مطابق ہو جاتا ہے۔ تو پھر نہیں بدلتا اور اسی کو استقامت کے ساتھ استعمال کرتا رہتا ہے، لیکن اگر اس مفید نسخہ کو بدل دے تو نتیجہ کچھ نہیں

ہوسکتا۔

اسی طرح زبانیں ہیں۔ انگریزی ہے۔ عربی ہے۔ فارسی ہے۔ جرمن۔ روسی۔ فرنچ۔ اُردو۔ غرض بہت سی زبانیں ہیں اور ان کے سیکھنے کے لیے بہت سے کورس ہیں۔ جن میں سے کسی ایک کے ذریعہ زبان سیکھی جاسکتی ہے، لیکن اُسی وقت تک جبکہ استقلال کے ساتھ اس کو عمل میں لایا جاتے۔ کیونکہ جب تک باقاعدگی اور استقلال کے ساتھ اس کو نہیں پڑھا جائیگا۔ کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی عربی زبان سیکھنے کے لیے اس کے کورس میں سے آج تو حماسہ[1] کا کچھ حصہ پڑھ لے اور کل متنبی[2] کے ایک دو صفحہ دیکھ لے اور پرسوں مقامات حریری[3] کو پڑھنے لگے اور اسی طرح ہر روز کتاب بدلتا رہے تو وہ کبھی عربی زبان نہیں سیکھ سکے گا۔ کیونکہ پڑھنے والے نے اگرچہ کتابیں تو بہت سی شروع کیں مگر استقامت سے کسی ایک کو بھی ختم نہ کیا۔ تو زبان عربی حاصل کرنے کے بہت سے ذرائع ہیں۔ مگر ان سب میں استقلال واستقامت کی بہت سی ضرورت ہے اور یہی حال ہر ایک مقصد اور مدعا کے حاصل کرنے کا ہے۔ جب تک اس کے لیے کوشش کرتے ہوتے استقامت نہ دکھلائی جاوے اُس وقت تک وہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

یہ آیت جو مَیں نے پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا الخ۔ کہ جو لوگ ایمان کو درست کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا پیدا کرنے والا ہے۔ پھر اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس پر استقامت دکھاتے ہیں۔ یعنی اپنے اعمال وعبادات میں ہمیشگی اختیار کرتے ہیں۔ ان پر خدا کے فرشتے نازل ہوتے ہیں جو انھیں یہ کہتے ہیں کہ کسی بات سے مت ڈرو اور اس جنت کی خوشخبری سنو جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ استقامت جب اللہ تعالیٰ کے متعلق آتے تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں مداومت اختیار کرنا۔ اس لیے اس کے یہ معنی ہوتے کہ وہ لڑکھڑاتے نہیں بلکہ جو کام شروع کرتے ہیں اس پر مداومت اختیار کرتے ہیں، درمیان میں نہیں چھوڑ دیتے۔ استقامت کے معنی یہ بھی ہیں کہ جو کام شروع کیا جاتے اُس کو اُس وقت تک نہ چھوڑا جاتے جب تک کہ انجام کو نہ پہنچ جاتے۔ استقامت کے معنی ہر ایک کام پر مداومت اختیار کرنے کے نہیں ہیں۔ کیونکہ جب ایک کام ہوجاتے تو پھر اس کے پیچھے لگے رہنا کوئی دانائی کی بات نہیں۔

---

[1] دیوان حماسہ عربی منظوم ادب کی مشہور کتاب مرتبہ ابوتمام حبیب الطائی ؛ [2] دیوانِ متنبی

[3] مقامات بدیع الزمان کی طرز پر مشہور ادبی کتاب مصنفہ محمد الحریری

اس لیے اس کے یہ معنی ہیں کہ جب تک وہ کام ختم نہ ہو اس وقت تک اس کو نہیں چھوڑتے۔ بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا ہمیشہ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک حد تک پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں مثلاً لڑائی ہے جب تک وہ ختم نہ ہو اس وقت تک اس میں استقامت کے ساتھ لڑنے کی ضرورت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام عمر لڑائی جاری رکھی جاتے۔ تو استقامت کا یہ مطلب و مقصد ہے کہ جب تک کام کو انجام تک پہنچانے کی ضرورت ہو اُس وقت تک کام کیا جائے۔

پس اللہ تعالیٰ کے احکام میں استقامت یہی ہے کہ اُس کی اطاعت میں لگ جائے اور اُس وقت تک لگا رہے اور اس کو اُس وقت تک برابر جاری رکھے جب تک کہ وہ کام خاتمہ پر نہ پہنچ جاتے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ وہ اولیاء اللہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

بزرگوں کا یہ مشہور قول ہے کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ کرامت سے بڑی چیز استقامت ہے۔ واقعہ میں استقامت معمولی چیز نہیں۔ بلکہ کرامت سے فوقیت رکھتی ہے کرامت ایک اصطلاح بتائی گئی تھی۔ انبیاء کے خوارق و نشانات کو معجزات کہتے تھے اور اولیاء کے نشانات کو کرامات، ان کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک انسان استقامت سے خدا کی عبادت میں مصروف رہیگا تب ہی وہ اس مقام پر پہنچ سکے گا کہ کرامت دکھاتے ورنہ نہیں۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ربنا اللہ کہنے والے جب خدا کی عبادت میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اُن کے قدم لڑکھڑاتے نہیں تو پھر ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تمہاری مدد و نصرت کے لیے خدا نے بھیجا ہے اگر ساری دُنیا تمہاری دشمن ہو گئی تو بھی کچھ پرواہ مت کرو۔ کیونکہ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ پس دُنیا میں استقامت سے انسان وہ کچھ کر لیتا ہے جس کا سمجھ میں آنا ناممکن ہے۔

دیکھو یہی دریا جو ہمیشہ چلتے رہتے ہیں ہزاروں اور لاکھوں من مٹی روزانہ سمندر میں ڈالتے ہیں دریائے ٹیمز جو لنڈن کے نیچے بہتا ہے اگر ہمارے یہاں ہوتو ایک نالہ سمجھا جاتے اس کے متعلق محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ دُنیا کے تمام دریاؤں سے تھوڑی مٹی کاٹتا ہے پھر بھی روزانہ چار ہزار من مٹی سمندر میں لیجاتا ہے۔

اسی طرح لوگوں نے ایک قصہ مشہور کر رکھا ہے اصل میں ایک مستقل مزاج اور دوسرے سُست الوجود انسان کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہتے ہیں۔ ایک کچھوے اور خرگوش میں شرط لگی کہ کون پہلے ایک خاص ٹیلے پر پہنچتا ہے۔ خرگوش ابتداء میں تیزی سے دوڑ کر کچھوے سے آگے نکل گیا اور یہ خیال

کر کے کہ کچھوا آہستہ آہستہ چلتا ہے اس لیے یہاں آنے تک میں آرام کر لوں یہ سمجھ کر وہ سو گیا۔ اور کچھوا اپنی اسی آہستہ چال سے چلتا چلتا ٹیلے پر پہنچ گیا۔ یہاں جا کر خرگوش کو اس نے آواز دی کہ لو بھئی میں تو پہنچ گیا ہوں۔ غرض استقامت سے کام کرنے والا ضرور جیت جاتا ہے۔

دیکھو مسلمان بڑے جوش سے اُٹھے۔ ان کے پاس صداقت کی تلوار تھی۔ اور براہین نیرہ کا مضبوط نیزہ، لیکن چونکہ انھوں نے استقامت کو چھوڑ دیا اور اس جوش و خروش کو قائم نہ رکھا۔ جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پیدا ہوا تھا۔ اس لیے جلد ہی بیٹھ گئے۔ اس کے مقابلہ میں چونکہ عیسائیت کی کُند چھُری جو آہستہ آہستہ چلتی رہی اور اس کے چلانے والوں نے استقلال دکھلایا۔ اس لیے آج وہ بہت کام کر چکی ہے مسلمانوں کے پاس صداقت کے ہتھیار تو نہایت اعلیٰ درجہ کے تھے مگر ان میں استقامت کی کمی تھی اور عیسائیوں کے ہتھیار کُند اور ناکارہ تھے مگر ان میں استقامت تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی کُند چھُری کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کے گلے کٹ چکے ہیں اور وہ زخمی ہو کر تڑپ رہے ہیں۔ تو چونکہ عیسائی آہستہ آہستہ اپنی کُند چھُری کو استقلال کے ساتھ چلا رہے ہیں اس لیے وہ ان سے جن کے پاس تیغ آبدار تو تھی مگر وہ اسے چھوڑ کے بیٹھ گئے۔ بازی لے گئے۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ استقلال کے ذریعہ ایک سُست چُست سے ایک کمزور مضبوط سے جیت جاتا ہے۔ پھر استقلال تو وہ چیز ہے کہ اس سے کام لے کر لوگ حیوانوں کو وہ کچھ سکھا لیتے ہیں جو ان کی فطرت کے مطابق نہیں ہوتا۔ مثلاً طوطے کو باتیں کرنا سکھا لیتے ہیں۔ اس طرح اور کئی جانوروں کو عجیب عجیب کام سکھلاتے جاتے ہیں۔ پس استقلال کی برکت سے جب جانوروں کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ اگر انسانوں کو لا الہ الا اللہ بالاستقلال سنایا جاتا تو وہ اس کے قائل نہ ہو جاتے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر مسلمان استقامت سے کام لیتے تو یقیناً آج دُنیا میں کوئی غیر مسلم نہ ہوتا اور ساری دُنیا ربنا اللہ کہنے والی ہوتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استقامت دکھاتا ہے۔ تو وہ ملہم ہو جاتا ہے پھر اس کے لیے خدا کے فضل سے دُنیا و آخرت میں کوئی خوف نہیں رہتا۔ اللہ کے ملائکہ اس کے دوست اور ولی ہو جاتے ہیں جو انسان ایسا ہو جاتے۔ اس کی تمام خواہشات پوری کی جاتی ہیں اور وہ اس طرح کہ خدا تعالیٰ ایسے انسانوں کے متعلق فرماتا ہے۔ نزلاً من غفور رحیم۔ ان کو جو کچھ دیا جائیگا وہ غفور رحیم خدا کی طرف سے بطور مہمانی کے ہوگا۔

پس اس آیت میں خدا تعالیٰ نے استقامت کے فوائد بتلائے ہیں۔ اور اسے اختیار کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض قرار دیا ہے۔

اب مَیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتاتا ہوں کہ آپ نے استقامت کی نسبت کس قدر زور دیا ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔ وکان احب الدین الیه ما داوم علیه صاحبه کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عمل سب سے زیادہ پسند اور پیارا تھا جس پر مداومت اختیار کی جاتی[۱] ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک عورت آئی اور اپنی عبادت گذاریوں کا ذکر کرنے لگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو آپ نے پوچھا کیا ذکر ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یہ عورت عبادت گذار ہے بہت عبادت کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کو تو وہ عمل پسند ہے جس پر مداومت اختیار کی جائے اسی طرح عبداللہ ابن عمرو ابن العاص کی روایت ہے کہ انھیں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یا عبد الله لا تکن مثل فلانٍ کان یقوم من اللیل فترك قیام اللیل[۲] اے عبداللہ فلاں کی طرح نہ ہو جو پہلے قیام لیل کیا کرتا تھا اور پھر اس نے چھوڑ دیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی ناپسند تھی کہ جو عمل اختیار کیا جاتے۔ اس پر مداومت نہ اختیار کی جاتے۔ اسی لیے آپ نے عبداللہ کے سامنے اس شخص کا نام لیکر کہا کہ اس کی طرح نہ کرنا۔ ورنہ آپؐ کی عادت نہ تھی کہ کسی کا نام لیکر اس کا عیب بیان کریں۔ آگے حضرت عبداللہ نے اس بات کا لحاظ رکھا کہ روایت میں اس کا نام نہیں ظاہر کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی ہر روز دو رکعت نفل پڑھے تو وہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے جو ایک ہی دن میں سو یا پچاس یا چالیس رکعت پڑھ کر پھر چھوڑ دے۔ اسی طرح وہ شخص جو ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھتا ہے بہتر ہے اُس کی نسبت جو ایک دفعہ تو سال بھر تک روزے رکھتا ہے اور پھر نام نہیں لیتا۔ یا اسی طرح ایک ایسا شخص جو ایک دن محنت کرتا کرتا چوبیس گھنٹے ختم کر دیتا ہے، لیکن پھر اس کام کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اس کی نسبت وہ اچھا ہے جو روزانہ تھوڑا تھوڑا کرتا رہتا ہے۔ پس ہر کام میں استقامت کی ضرورت ہے اور استقامت کے سوا کوئی عمل نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ و لن یُشَآدَّ الدین احدٌ۔ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا واستعینوا[۳] کہ دین آسان ہے، لیکن اگر کوئی اس میں سختی کریگا تو دین اس پر غالب آجائیگا۔ اس لیے میانہ روی اختیار کرو اور نزدیک رہو اور ثواب کی اُمید رکھو اور استقامت مانگو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال میں غلو کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے

---

[۱] بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومة علی العمل ۔ [۲] ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوٰة باب ما جاء فی قیام اللیل

[۳] بخاری کتاب الایمان باب الدین یُسرٌ

کہ جو عمل بھی کیا جائے۔ ہمیشہ کیا جائے کیونکہ نجات زیادہ عملوں سے نہیں ہوگی۔ بلکہ خدا کے فضل سے ہوگی۔
یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ اگر عملوں سے نجات نہیں ہوگی تو پھر اعمال کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ نجات تو خُدا کے فضل سے ہی ہوگی۔ ہمارے وہ عمل جو ہم نے ہمیشہ اخلاص سے کئے ہونگے۔ وہ خُدا کے فضل کے جاذب ہونگے کیونکہ انسان کے اتنے عمل نہیں ہوتے جتنے خدا کے فضل ہوتے ہیں۔ رسولِ کریمؐ نے جو فرمایا کہ میری نجات بھی اعمال سے نہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے ہی ہوگی[۱] یہ درست ہے۔ کیونکہ رسول کریم کے عملوں کے مقابلہ میں خدا کے فضلوں کو دیکھا جائے۔ جو آپ پر ہوئے۔ تو آپ پر خدا کے فضل بہت ہی زیادہ ہیں۔ میرے نزدیک کسی نبی نے وہ کام نہیں کئے۔ جو آنحضرتؐ نے کئے اور اگر تمام انبیاء کے اعمال کو مجموعی حیثیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے مقابلہ میں رکھا جائے۔ تو بھی آپ کے اعمال کا مقابلہ نہیں کر سکتے، لیکن باوجود اس کے اگر خدا کے ان احسانات کو دیکھا جائے جو خدا نے آپ پر کئے۔ تو اس میں بھی کوئی شک نہیں وہ بھی بہت بڑے ہیں۔ پس حقیقت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ بھی اپنے اعمال سے نجات نہیں پائیں گے۔ بلکہ خدا کے فضل سے ہی پائیں گے۔ ایک شاعر کا یہ شعر مجھے بہت ہی پسند ہے۔ کہتا ہے ؎

جان دی۔ دی ہوئی اُسی کی تھی ۔۔۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کہ ہم نے اگر خدا کے لیے جان بھی دیدی تو کیا ہوا سچ پوچھو تو کچھ بھی نہیں دیا۔ کیونکہ جان بھی اُسی کی دی ہوئی تھی۔ ایک شخص کروڑوں روپیہ کسی کو دیتا ہے۔ اگر لینے والا سارے کا سارا دینے والے کو دیدے۔ تب بھی گویا اس نے کچھ نہیں دیا۔ تو انسان جو کچھ بھی خدا کی راہ میں قربان کرے اور جس قدر بھی اعمال بجا لائے۔ وہ سب کچھ خدا کے دیئے ہوئے انعامات کے ذریعہ کریگا۔ اس لیے اس کا حق کہاں ادا ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عملوں سے نجات نہیں ہوگی۔ بلکہ خدا کے فضل سے ہوگی۔
آریوں کو اس بات سے دھوکہ لگا ہے اور ان کا ایک بڑا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ محدود اعمال کے نتیجہ میں غیر محدود نجات نہیں مل سکتی۔ اس کا جواب حضرت مسیح موعودؑ نے نہایت ہی عمدہ دیا ہے۔ فرمایا۔ انسان اپنے اعمال کو خود محدود نہیں کرتا۔ اس کا تو یہی ارادہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ خدا کی اطاعت و عبادت میں ہی لگا رہوں، لیکن چونکہ خداوند اسے موت دیدیتا ہے۔ اس لیے وہ اور اعمال نہیں کرسکتا اور اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ بلکہ وہ غیر محدود نجات کا مستحق ہے کیونکہ اس کے اعمال اگرچہ محدود ہیں۔ مگر چونکہ اس کا ارادہ اعمال تو غیر محدود تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جزا بھی غیر محدود دیتا ہے۔ جو

[۱] بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومۃ علی العمل

اس کا فضل ہے مگر اس فضل کا مستحق انسان استقامت سے ہی بن سکتا ہے۔

غرض ہر فعل۔ اور ہر کام میں استقامت کی بہت ہی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ انسان اپنے اعمال میں استقامت دکھائے گا۔ تو خدا تعالیٰ سے انعامات غیر محدود حاصل کریگا۔ اور رسولِ کریمؐ نے بھی اس کے متعلق سخت تاکید کی ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں اس کی کمی ہے۔ حالانکہ استقامت بہت بڑی چیز ہے۔ اس کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا میں نے کئی کام بعض ایسے لوگوں کے سپرد کئے جنہوں نے اس کے لیے نام لکھوا دیئے اور بڑے جوش سے اُٹھے تھے۔ مگر پھر خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب کی کتابوں کا انڈکس بنانے کے لیے جب اعلان کیا گیا تو کئی لوگوں نے نام لکھوائے۔ اور ابتداء میں بڑا جوش رہا۔ کئی لوگ مجھے روزانہ پوچھا کرتے تھے۔ کہ کس طرح تیار کریں۔ لیکن نہیں معلوم اب وہ کیا کر رہے ہیں۔ تین مہینہ کی مدت مقرر کی گئی تھی۔ مگر اب چھ مہینے اس کے بعد بھی گذر گئے ہیں۔ چھوٹے ہوتے ایک قصّہ سُنا کرتے تھے کہ ایک دیو تھا جو چھ مہینہ سوتا تھا اور چھ مہینہ جاگتا تھا۔ لیکن ہماری جماعت کے بعض لوگ سال میں صرف تین دن جلسہ میں جاگتے ہیں اور جلسہ ختم ہونے کے معاً بعد سو جاتے ہیں۔ جلسہ میں تقریریں سُن کر خوش ہو جانا۔ یا اُس وقت جوش دکھا دینا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ تقریروں میں جو کچھ بتایا جاتا ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ تقریریں تو آپ لوگوں کو کام کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کی جاتی ہیں۔ سو کام کرو اور استقامت سے کرو۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے تمام کاموں میں استقامت و استقلال اختیار کرو۔ کسی کام کے لیے چند روزہ جوش سے وہ کام نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کے انجام پذیر ہونے کے لیے مسلسل کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھ کو اور آپ لوگوں کو بھی کام کرنے کی توفیق دے اور استقامت عطا فرمائے آمین۔

(الفضل ۱۷،۲۱ ستمبر ۱۹۱۸ء)